

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نظرات

”فکر و نظر کے پچھلے شادوں میں مولانا مفتی امجد العلی سابق استاد الحدیث مطلع العلوم رامپور کا ایک مضمون بعنوان ”تشکیل قوانین اسلامی کے تاریخی مراحل“ کئی قسطوں میں چھپا ہے۔ یہ مضمون اصل میں تو ماہنامہ ”بنیات“ کراچی کے اُن اعتراضات کے جواب میں لکھا گیا تھا، جو مجلہ مذکور نے ادارہ تحقیقات اسلامی سے شائع ہونے والی کتاب ”مجموعہ قوانین اسلام“ پر کئے تھے، لیکن اس ذیل میں جہاں اسلامی قوانین کی تشکیل کے تاریخی مراحل کا ذکر کیا گیا، وہاں اسلامی قوانین کی آئندہ تشکیل کے بارے میں بھی بعض بنیادی باتیں زیر بحث آئی ہیں۔ اد مفتی صاحب نے معاصر علماء کرام کی توجہ ان کی طرف مبذول کرانی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے بعد صحابہ، پھر تابعین اور اُن کے بعد تبع تابعین کے عہد میں اسلامی قوانین کی تشکیل کی کیا نوعیت تھی؟ اس سلسلے میں مختلف حوالے نقل کر کے مفتی صاحب نے بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں وحی قرآنی کے ذریعہ احکام حاصل کئے جاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول اور فعل سے بالمشافہ خطاب کر کے اُن کی وضاحت فرما دیتے تھے۔ اس ضمن میں نقل، نظر اور قیاس کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ عہد صحابہ میں یہ معمول تھا کہ جب کوئی واقعہ پیش آتا تو اولاً کتاب اللہ اور اس کے بعد سنت نبویؐ کی طرف رجوع کیا جاتا۔ پھر اجتہاد و قیاس سے کام لیا جاتا۔ تابعین کے دور میں بھی اسی طریقے پر عمل ہوتا رہا۔ البتہ اس دور میں اقوال صحابہ سے استدلال کرنے کا اضافہ ہو گیا۔ اور جب تبع تابعین کا زمانہ آیا، تو وہ کتاب اللہ، سنت نبویؐ اور اقوال و فتاویٰ صحابہ کے علاوہ تابعین کے فتاویٰ کو بھی استخراج احکام میں پیش نظر رکھنے لگے۔



اس تمام عرصے میں استخراج احکام یا تشکیل قوانین کے سلسلے میں یہ چار اصول مدار علیہ تھے: کتاب اللہ،

سنت نبوی، قیاس اور اجماع۔ صحابہ تابعین، تبع تابعین، نیز اہل بعد کے تمام فقہاء کے نزدیک ان اصول اربعہ پر اتفاق تھا، لیکن اس اتفاق کے باوجود احکام و مسائل میں اختلاف ہوا۔ اور فقہ کے مختلف مذاہب وجود میں آئے۔ اس کے متعلق مفتی صاحب لکھتے ہیں:-

احکام و مسائل کا استخراج نصوص پر مبنی تھا۔ یہ نصوص شارع علیہ السلام سے لے کر آخر تک عربی زبان میں تھیں۔ اور عربی زبان کے الفاظ بیک وقت متعدد اور متضاد معنوں کے حامل ہو سکتے ہیں۔ پھر احادیث مختلف طریقوں سے روایت کی گئی تھیں۔ اور ان سے جو احکام استخراج ہوتے تھے، اُن میں تضاد پایا جاتا تھا۔ اس لئے ایک حکم کو دوسرے پر ترجیح دینے کی ضرورت پڑتی تھی۔ اس کے علاوہ نئے زمانے کے ساتھ ساتھ نئے نئے امور پیش آرہے تھے اور اُن کے مابین مطابق نصوص کا لیا جانا دشوار ہو رہا تھا۔ جن امور کے متعلق نص نہ ملتا، اُن کو اُن کے مشابہ امور پر قیاس کر کے اُن کے بارے میں حکم کا استخراج کیا جاتا۔ اب ایک تو یہ فیصلہ کرنا کہ فلاں امر فلاں کے مشابہ ہے، پھر اس مشابہت کو ثابت کر کے اُس کے لئے نئے حکم کا استخراج کرنا غیر معمولی ذہنی صلاحیتیں چاہتا ہے۔ اور افراد کی ذہنی صلاحیتوں میں تو فرق مراتب ہوتا ہی ہے۔ غرض یہ وجہ تھی جس سے خود صحابہ تابعین اور ائمہ فقہ میں اختلافات رونما ہوئے۔

اس سلسلے میں بحوالہ مفتی صاحب، جامعہ اسکندریہ (مصر) میں اسلامی قانون کے ایک پروفیسر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ فقہاء صحابہ و تابعین اور اُن کے بعد آنے والے اپنے فتوؤں میں اولاً کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے۔ اگر وہاں سے کوئی حکم نہ ملتا تو پھر سنت کی طرف رجوع کرتے، اور اگر وہاں سے بھی حکم نہ ملتا تو وہ اجتہاد کرتے اور مشابہ امور کو دیکھ کر مشابہ امور پر قیاس کرتے۔ اس کے بعد پروفیسر موصوف لکھتے ہیں:-

اس ضمن میں شریعت اسلامی نے احکام کے بارے میں جس امر کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور بندوں کے لئے جالب مصالح اور لوگوں کی تکلیفیں دور کرنے اور اُن سے تنگی اور مشقت رفع کرنے کے ذیل میں قانون سازی (تشریع) میں شریعت اسلامی کے جو مقاصد ہیں، وہ اُن سے مطابقت کا خیال رکھتے۔

اس کے ثبوت میں مفتی صاحب نے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں عراق کی مفتوحہ زمینوں کی تقسیم کے واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ کئی ممتاز صحابہ جن میں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ پیش پیش تھے، ان زمینوں کو مسلمان مجاہدین پر

تقسیم کرنے پر مصر تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے اُن کی بات نہ مانی اور بر زمین چل ماکوں اور کاشت کاروں کے پاس رہنے دی گئی۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں :- اس معاملے میں حضرت عمرؓ نے ایک رائے قائم کی۔ اور اُس کی مصلحت بھی انہوں نے بتائی۔ یہ رائے بظاہر کتاب و سنت کے مخالف تھی۔ اور جو صحابہ اس رائے کے خلاف تھے، قرآن و سنت دونوں اُن کے قول کے واضح طور پر موافق تھے، لیکن حضرت عمرؓ کی نظر جہاں پہنچی، وہاں مخالف جماعت کی نظر نہ پہنچ سکی۔ گو حضرت عمرؓ نے اپنی اس رائے کی تائید میں قرآن مجید کی بھی سند پیش کر دی۔ مفتی صاحب کے الفاظ میں :-

اس واقعہ سے دو امور کا انکشاف ہوا۔ ایک یہ کہ ایک مجتہد و فقیہ کی نظر کبھی ایسے مقام تک پہنچ جاتی ہے، جہاں دوسرے کی نظر کی رسائی نہیں ہوتی۔ دوم یہ کہ گو حضرت عمرؓ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عمل موجود تھا، جسے آپؐ نے خیر کی اراضی کے بارے میں کیا تھا، لیکن عامۃ الناس کی مصلحت کے پیش نظر انہوں نے اس پر کفایت نہ کی اور یہ خیال نہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عمل دائمی طور پر بالبعد کے لئے قطعی فیصلہ ہے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ تغیر الاحکام بتغیر الازمان تبعاً لعللہا والمصالح والحقیقۃ المشروعة۔



چور کی سزا کا کتاب اللہ میں صریح حکم موجود ہے، لیکن حضرت عمرؓ نے خاص حالات میں اس سزا کو نافذ نہیں کیا۔ مفتی صاحب نے اس واقعہ کا تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد جامعہ عین الشمس (قاہرہ) میں اسلامی قانون کے ایک پروفیسر کی یہ رائے نقل کی ہے :- اونٹنی کی چوری پر حضرت حاطب کے غلاموں کے، جنہوں نے یہ چوری کی تھی، ہاتھ نہ کاٹنا۔ اسی طرح قحط سالی میں قطع ید سے منع کرنا۔ حضرت عمرؓ کے یہ دو مشہور و معروف فیصلے ہمیں بالذات یاد دلاتے ہیں کہ شرعی احکام علتوں کے لئے جو ان احکام کا تعلق کرتی ہیں، اور مقاصد کے لئے جن تک یہ احکام لے جاتے ہیں، وضع کئے جاتے تھے۔ اس کے لئے بعض دفعہ ظاہر حکم کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ اسی کو صحابہ نے اور جو ان کے نقش قدم پر چلے، سمجھا تھا۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ اس دور میں حضرات علماء و فقہاء تلاش بسیار کے باوجود بھی جب کسی مسئلے کے بارے میں قرآن و سنت میں کوئی حکم نہ پاتے تو پھر وہ اجتہاد رائے سے کام لیتے۔ وہ نصوص کی روشنی میں اس موقف کی تلاش کرتے، جو عقل سلیم کے نزدیک ان نصوص سے مستخرج ہوتا اور ان

تمام علل و مصالح کو پیش نظر رکھتے، جو شریعت اسلامی نے اپنے احکام میں ملحوظ رکھی ہوتی۔ عرض ان علل و مصالح و مقاصد کی تلاش ان حضرات کا اول فریضہ تھا۔ اس دور میں جو پہلی اور دوسری صدی ہجری تک ممتد رہا، کسی خاص فقہی مذہب کی تقلید پر لوگوں کا اجتماع نہیں ہوا تھا۔

تبع تابعین کے عہد میں ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ فقہ میں تقلید شخصی لازم ہو گئی۔ گو اس عہد میں متعدد ائمہ مجتہدین ہوئے لیکن ان میں صرف چار ہی کے فقہی مذاہب باقی رہے مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ اس عہد میں تمام فقہاء و مجتہدین کی اجتہادی آراء کو شریعت اسلامی کے قوانین حقہ تصور کیا جاتا رہا۔ یہ کسی نہیں ہوا کہ امام شافعی یا ان کے متبعین متقدمین نے امام ابو حنیفہ یا امام مالک یا امام حنبل کے فقہی مسائل کو غیر اسلامی شمار کیا ہو۔ یا حنفی و مالکی و حنبلی مقلدین کو فقہ شافعی کے خلاف عمل کرنے پر ملحوظی الدین یا خارج از اسلام تصور کیا ہو۔ بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب اور دوسرے ائمہ فقہ و حدیث کے بیان کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود ائمہ بعض اوقات اپنے مسلک کو چھوڑ کر دوسرے مسلک پر عمل فرمایا کرتے۔

اس کے بعد وہ دور آیا کہ اپنے مخصوص ائمہ فقہ کی اندھی تقلید اور دوسرے مذاہب فقہ کے ائمہ کی تنقیص ایک لازمہ دین بنالیا گیا۔ اور تقلید و جمود کا یہ روگ برابر بڑھتا گیا۔ مفتی صاحب نے اس ضمن میں ان امور کا ذکر کیا ہے جو اس صورت حال کے موجب بنے۔ بے شک اسی دور میں ائمہ اربعہ کے مقلدین میں ایسے حضرات بھی ہوئے ہیں جن کا دامن اس قسم کی تقلید سے پاک رہا۔ چنانچہ شیخ عبد الوہاب الشعرانی متوفی ۱۱۹۷ھ نے لکھا ہے :- جس طرح انبیاء کے لائے ہوئے احکام میں طعن جائز نہیں حالانکہ ان کے شرائع کے احکام میں باہم اختلاف ہے۔ اسی طرح ائمہ مجتہدین نے جن مسائل کا بطریقہ اجتہاد و استحسان استنباط کیا ہے، ان میں طعن جائز نہیں۔ اسی کی ایک مثال خود اس بزرگ صغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ کی ہے۔

تشریع اسلامی کے ان مراحل کو بیان کرنے کے بعد مفتی امجد العلی صاحب نے آج کے دور کا ذکر کیا ہے، جس میں ہم ہیں۔ اور بتایا ہے کہ اس دور کی جملہ قانونی ضرورتیں شریعت اسلامی کی رو سے کس طرح پوری کی جاسکتی ہیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ موجودہ دور میں ایک مذہب فقہ میں محصور ہو کر ہم اپنی قانونی ضرورتیں پوری نہیں کر سکتے۔ کیونکہ بعض مسائل کے بارے میں ایک مذہب میں وسعت ہے اور دوسرے میں تنگی۔ اسی وجہ سے بہت سے اسلامی ممالک میں موجودہ حالات کے لئے جو قوانین بنائے جا رہے ہیں، ان میں تمام مذاہب سے یکساں طور پر استفادہ کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں پہل دولت عثمانیہ نے کی اس کے بعد دوسرے مسلمان ملکوں نے بھی اس طریقے کو اختیار کیا۔

اس ضمن میں مفتی صاحب نے جامعہ اسکندریہ کے پروفیسر کی اسلامی قانون کی کتاب سے یہ عبارت نقل کی ہے۔ ۱۳۶۰ء میں کبار علماء کی ایک لجنہ (کمیٹی) شیخ الجامع الازہر کی زیر صدارت بنائی گئی۔ اور اس نے میراث و وصیت و وقف وغیرہ کے قوانین کو از سر نو مرتب کیا۔ جنہیں مصری پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔ انہیں بعض ترمیموں کے بعد منظور کر لیا گیا۔ ان قوانین میں مذہب حنفی سے اختلاف کیا گیا۔ اور بہت سے مسائل میں اس سے اعراض کر کے دوسرے مذاہب فقہ کے اقوال لئے گئے۔ ایہ مجتہدین میں سے کسی معین امام کی رائے یا ایک مذہب فقہ کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی عدم پابندی کے ساتھ۔ یہ اس لئے کہ عدل و انصاف اور مصلحت عامہ کا مقصد پورا ہو اور لوگوں کو شرعی عدالتوں کے صرف ایک ہی مذہب یعنی مذہب حنفی پر لازم العمل کرنے سے جو مشقت اور تنگی ہوتی تھی، وہ دور ہو سکے۔ ان قوانین میں ترمیم کرتے ہوئے جہاں مذہب حنفی سے اختلاف کیا گیا ہے، وہاں دوسرے مذاہب اسلامی کے جو آسان احکام تھے، انہیں لیا گیا ہے۔

ادارہ تحقیقات اسلامی سے شائع ہونے والی کتاب ”مجموعہ قوانین اسلام“ میں اسی طریقہ کو اپنایا گیا ہے۔ مفتی صاحب نے اس ضمن میں کہا ہے :-

جو شخص بھی آج کے احوال و مسائل کے لئے احکام شرعیہ مرتب کرے گا، اسے لازماً یہی راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ وہ جب تک اپنے تقلیدی تعصب و عناد کو پس پشت ڈال کر سلف صالحین کے اس طریقے کو اختیار نہ کرے گا، وہ کوئی خاطر خواہ اور مفید نتیجہ نہیں پیدا کر سکے گا۔

اس کے بعد مباح کا مسئلہ ہے، جس پر مفتی امجد العلی صاحب نے بڑی تفصیل سے بحث کی ہے ”مجموعہ قوانین اسلام“ کے ناقدین نے مرتب کتاب کے اس بیان پر کہ نابالغوں کی شادیاں کرنا کوئی امر

تائیدی نہیں ہے۔ بلکہ ایک امر مباح ہے۔ مقتدر اعلیٰ یا ملک کا قانون ساز ادارہ معاشرے کے مفاد میں اس کو موقوف یا معطل یا مقید کر سکتا ہے، اعتراض کیا تھا۔ مفتی صاحب نے اس کے جواب میں بتایا ہے کہ موصوف (مرتب کتاب) کا یہ اپنا ذاتی خیال نہیں۔ بلکہ یہی قول عام علماء مصر و دیگر ممالک اسلامیہ کا بھی ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے جامعہ عین الشمس (قاہرہ) کے پروفیسر قانون اسلامی ڈاکٹر محمد موسیٰ کی کتاب سے یہ اقتباس نقل کیا ہے: ”..... ولی الامر کو بعض مباحات میں پابندی کا اس وقت حق حاصل ہے جبکہ مباح کے سلسلے میں مصلحت کا اقتضاء ہو۔ خواہ یہ تخصیص نص یا ترک ظاہر نص کی صورت ہی کیوں نہ ہو“ اسی کی تائید میں سید رشید رضا کا ایک قول نقل کیا گیا ہے کہ امام کو حق حاصل ہے کہ مباح کو ممنوع کر دے جبکہ اس کے از کتاب میں کسی مفسدہ کا خوف ہو۔ جب تک کہ یہ مفسدہ قائم رہے اور مصلحت اس مانعت کو چاہتی ہو۔ اسی ذیل میں تعدد از واج پر حکومت کی طرف سے پابندی لگانے کو جائز اور صحیح قرار دینے کا مسئلہ ہے۔ اس کے ثبوت میں مفتی صاحب نے قاضی علاؤ الدین خرافہ قاضی بھرہ کی کتاب کا حوالہ دینا کیا ہے۔ موصوف کہتے ہیں کہ اگر مصالح عامہ کے اقتضاء کے تحت احکام میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اور مباح کو غیر متبدل قرار دینے کا اصول لازمی مانا جاتا ہے، تو پھر کسی قسم کی مزید تشریح اسلامی کا اسکان نہیں رہتا۔



مفتی صاحب نے اپنے مضمون کے آخر میں علماء کرام کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ موجودہ دور میں ہر اسلامی ملک میں وہاں کی حکومتیں ہی قوانین اسلامی کی تشکیل کا کام سرانجام دے رہی ہیں اور اس میں ان ملکوں کے علماء ان کے ساتھ پورا تعاون کر رہے ہیں۔ مفتی صاحب کے اپنے الفاظ میں ”پاکستان میں حکومت کا میدان اس طرف پیدا نہ ہوا اور نہ اب تک ہے (ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ مدیر) لیکن اس کی ذمہ داری صرف ایک جانب پر عائد نہیں کی جاسکتی، بلکہ یہ ہر دو جانب کے وقار و عزت کی بقا کی خواہش کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ ہر جانب نے اپنے لئے یہ پند نہ کیا کہ تعاون و محبت کا پہلا ہاتھ اس کی طرف سے بڑھایا جائے اور اس عمل کو اپنے حق میں ذلت اور تحقیر تصور کیا۔ حالانکہ ایسے حالات میں مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ اگر ایک جانب کشیدگی شدت اختیار کئے ہوئے تھے تو دوسری جانب محض دینی خدمت اور بقاء اسلام کے پیش نظر اپنے وقار و شہرت و عزت کو قربان کر دیتی اور ایسے حالات کی ابتدا کرتی جو نفرت کو محبت سے اور

حقارت کو عزت سے تبدیل کر دیتے۔“

موصوف نے علماء کے موجودہ رویے پر دلی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے: ”کاش علماء پاکستان کی طرف سے جتنا وقت ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر نقد و تنقید اور مجادلہ و مکابہ، باہمی بغض و عناد، بُعْد و بیگانگی اور نفرت و حقارت کے جذبات کی تخم ریزی میں صرف کیا جاتا ہے۔ اُٹایا اُس سے کم ہی تدوین قوانین شرعیہ میں صرف کیا جاتا اور ایسے تمام قوانین کی تدوین کی جاتی جو حکومت کے غیر اسلامی موجودہ مروجہ قوانین کی جگہ لے لیتے، جیسا کہ دیگر ممالک اسلامیہ کے علماء و فضلاء نے اپنے مخصوص مسالک پر رہتے ہوئے تعصب اور عناد کے اثرات سے بالاتر ہو کر قوانین کی تدوین کر لی ہے۔“

گزشتہ فروری میں ہمارے ہاں جو بین الاقوامی اسلامی کانفرنس ہوئی، اس کا ایک سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ ان سالوں میں پہلی دفعہ راسخ العقیدہ طبقہ علماء میں سے بعض ممتاز بزرگ اور وہ لوگ جنہیں اصطلاحاً تجدید پسند کہا جاتا ہے، ایک جگہ جمع ہوئے۔ انھوں نے بعض اہم قانونی مشلوں پر باہم تبادلہ خیالات کیا۔ اور دونوں نے ایک دوسرے کے نقطہ ہائے نظر کو سمجھنے کی کوشش کی۔ ”قدیم“ اور ”جدید“ کا یہ اجتماع بڑی پُر خلوص اور احترام سے بھرپور فضا میں ہوا۔ خدا کرے باہم افہام و تفہیم کی یہ کوشش ذریعہ بنے اس منزل تک پہنچے گا۔ جس تک ہم سے پہلے بہت سے مسلمان ملک پہنچ چکے ہیں۔ یعنی وہاں راسخ العقیدہ علماء نے حکومت اور جدید قانون کے ماہرین سے پورا تعاون کیا، اور اس طرح ان ملکوں میں آج کی ضرورتوں کے مطابق اسلامی قوانین کی تشکیل کر لی گئی۔

ہمارے ہاں وقتاً فوقتاً ایسے قانونی مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، جن کے بارے میں قانونی پیشہ سے تعلق رکھنے والے بالخصوص اور اسلامی علوم کا مطالعہ کرنے والے بالعموم کسی جامع قانونی مرجع کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ اس کے پیش نظر ادارہ تحقیقات اسلامی نے اسلامی قوانین پر مشتمل ایک انسائیکلو پیڈیا مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں کسی مسئلہ کے متعلق جو بھی مواد کتاب، سنت اور کتب فقہ سے مل سکتا ہے۔ ایک تو اسے جمع کیا جائے گا۔ دوسرے اس بارے میں جدید نظریات و قانون بھی ذکر کئے جائیں گے۔ آخر میں محاکمہ ہوگا اور حسب ضرورت مناسب تجاویز پیش کی جائیں گی۔ اس انسائیکلو پیڈیا کی تیاری میں فقہ کے متبحر علماء حضرات سے رجوع کیا جا رہا ہے۔